ایک تھا بادشاہ!

مجھے حیرت ہوتی ہے بلکہ رشک آتا ہے کہ کچھ حضرات روزانہ کالم لکھ سکتے ہیں۔وہ یہ ذہنی مشقت کئی برس سے بخوبی انجام دے رہے ہیں۔ یہ پہاڑ جیسا کام کیسے سرانجام دیتے ہیں؟وہی جانتے ہیں'میں اس کا اندازہ بھی نہیں لگانا چاہتا کیونکہ زندگی میں میرے تمام اندازے غلط ثابت ہوئے ہیں۔ بہر حال میں ان مسلسل لکھنے والوں کی صلاحیت سے متاثر ہوں۔ مجھے تو ہفتے میں محض دو کالم لکھنے ہوتے ہیں۔ ہفتے کے ابتدائی چار دن اس تیزی سے گزرتے ہیں کہ جمعہ آجاتا ہے اور میں اپنی میز پر بیٹھا کالم لکھ رہا ہوتا ہوں۔اگلا روز سوچتے ہوئے گزرتا ہے پھر اتوار کو دوبارہ اس مشق میں مبتلا ہو جاتا ہوں۔

پہلی مرتبہ لطیف چوہدری سے ملاقات ہوئی'ان کی تحریک پر قلم اٹھانے کا فیصلہ کیا تو مجھے قطعاً اندازہ نہیں تھا کہ میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ چوہدری صاحب کی معصوم شخصیت سے متاثر ہو کر پکا وعدہ کر ڈالا کہ یہ بھاری پتھر اٹھا کر رہونگا۔اب تقریباً دو سال کے بعد مجھے معلوم ہوا ہے کہ میرے ساتھ دراصل ہوا کیا ہے۔ کئی بار سونے کے لئے بستر پر لیٹا تو یاد آیا کہ آج کالم بھجوانے کا دن ہے۔ لطیف چوہدری نے مجھے ایسے کام پر لگا دیا ہے کہ باقی دنیاوی کام اور غم بھول چکا ہوں۔دراصل میں لطیف چوہدری کی معصوم شخصیت سے مار کھا گیا۔ مگر اب میں اس ادبی زدوکوب کا عادی ہو چکا ہوں۔اس معاملے میں ایاز خان کے کیا جذبات ہیں'وہ میں پوچھ کر بتاؤنگا تاہم یہ پٹھان ہونے کے باوجود انتہائی سمجھدار اور اعلیٰ انسان ہے۔انتہائی متوازن اور خوش لباس۔ میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ میری زندگی میں چند اچھے واقعات میں،ان دو مخلص انسانوں کا ملنا ایک سنجیدہ حادثہ ہے۔

خیر بات کو آگے بڑھاتے ہوئے عرض کروں کہ سینٹ کے الیکشن سے دو چار دن قبل مجھے ایک امیدوار نے فون کیا۔انکا تعلق ہر حکومتی پارٹی سے رہا ہے اور خدا کے فضل سے وہ آج بھی حکومتی پارٹی کا اہم حصہ ہیں۔ فرمانے لگے کہ آپکے چند دوست اور عزیز پارلیمنٹ میں ہیں،ان سے درخواست کیجئے کہ وہ انہیں ووٹ دیں۔ موصوف کو یقین دلایا کہ میں دوڈھائی سال سے سٹاف کالج کے خیمے میں پناہ گزین ہوں لہذا میں انکے لیے کچھ نہیں کر سکتا ۔الیکشن قریب آتا گیا،انکا اصرار بڑھتا گیا بلکہ اس میں کافی حد تک "دہشت گردی" عود کر آئی۔الیکشن سے ایک دن پہلے تشریف لائے تو مجھے محسوس ہوا کہ یہ "صوفی حالت" میں ہیں۔انہیں یقین دلایا کہ وہ حکومتی پارٹی کے ٹکٹ ہولڈر ہیں،انہیں کسی چیز کا کوئی مسئلہ نہیں'وہ تو جیتے جتائے ہیں۔ آخر میں نے سوال کیا کہ سینٹ کے الیکشن میں انکے ساتھ زیادہ سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے؟یعنی صرف دو طرح کا نتیجہ متوقع ہے۔ایک تو وہ اپنی پوشیدہ صلاحیتوں کی بدولت جیت سکتے ہیں اور دوسرا وہ اپنے بلند کردار کی بدولت ہار سکتے ہیں۔ پھر میں نے انہیں دیرینہ دوست "چارلی" کا قصہ سنایا۔ ہم تمام دوست اناٹومی کا امتحان دیکر باہر نکلے۔رنج والم کے بوجھ سے معمور کیونکہ فیل ہونے کے بہت شدید امکانات تھے۔ چارلی نے ریگل چوک سے تھوڑا سا ہٹ کر ایک تقریر فرمائی۔ سننے والوں میں علی حماد اور یہ عاجز تھا۔چارلی کہنے لگا کہ آخر، کیا ہو جائیگا۔ایک، یہ کہ ہم اس امتحان میں فیل ہو جائینگے۔ لہذا ہمیں غم دور کرنے کیلئے فلم دیکھنی ہوگی۔ دوسرا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہم اتفاقیہ پاس بھی ہو سکتے ہیں۔ لہذا ہمیں خوشی منانے کیلئے بھی فلم دیکھنی ہوگی۔ لہذا ان ممکنہ نتائج کی موجودگی میں ہمیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہم سب نے چارلی کی بات مانتے ہوئے فوراً ایک اور فلم دیکھ ڈالی۔ جب میں نے سینٹ کے امیدوار کو یہ قصہ سنایا تو وہ تقریباً سو چکے تھے۔ لہذا مجھے انہیں جگا کر یہ قصہ دہرانا پڑا۔یہ قصہ سننے کے بعد وہ اگلے دن تک بغیر پریشانی کے الیکشن میں شامل رہے۔ آج کل وہ "فلم" دیکھنے کے لیے غیر ملکی دورے پر گئے ہوئے ہیں۔

اب ایک کہانی سنیئے' یہ محض ایک کہانی ہے۔اسکا کوئی سبق نہیں ہے۔ پرانے وقتوں کی بات ہے کہ ایک ملک کا ایک بادشاہ تھا۔ ہر بادشاہ کی طرح وہ بھی ایک بہت اچھا، نیک اور شریف قسم کا حکمران تھا۔اسکی پارسائی اور نیکی کی دھوم ہر طرف تھی۔ وجہ صرف یہ تھی کہ اس نے اس کام کیلئے کئی سرکاری ملازم رکھے ہوئے تھے۔ یہ ماہانہ تنخواہ لیکر ہر گلی کوچے میں بادشاہ کی اچھائی کا ڈھول پیٹتے تھے۔ لیکن ان میں کئی ڈھنڈورچی بہت تنگ تھے کیونکہ انہیں اپنی تنخواہ کا بل پاس کروانے کیلئے دفتر خزانہ کو دو فیصد رشوت دینی پڑتی تھی۔ جب بادشاہ کو شکایت کرتے تھے تو وہ زاروقطار روتا اور کہتا تھا کہ خزانے والے اسکی تنخواہ سے تو پانچ فیصد کمیشن لیتے ہیں،جو سراسر ناانصافی ہے۔یہ سن کر تمام ڈھول بجانے والے چپ چاپ دربار سے واپس آجاتے تھے۔ خدا کا شکر ادا کرتے تھے کہ چلو دو فیصد دیکر تنخواہ تو مل جاتی ہے۔

بادشاہ کیونکہ بادشاہ تھا لہذا اسکے کئی وزیر بھی تھے۔ ان میں ہر طرح کے وزیر تھے۔ کسی کا تعلق فارس سے تھا، کسی کا چین سے اور کئی ترک نسل کے تھے۔ لیکن ان میں کئی وزیر اور مشیر ایسے بھی تھے جنکا تعلق کسی علاقے سے نہیں تھا۔ بلکہ بادشاہ اور رعایا کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کون ہیں؟وزراء میں کئی طرح کی درجہ بندی تھی۔ایک وزیر با تدبیر تھا۔ بادشاہ اسکی بتائی ہوئی کسی تدبیر پر عمل نہیں کرتا تھا، بلکہ ہر کام ہمسایہ بادشاہ سے پوچھتا تھا۔اگر ہمسایہ بادشاہ دورے پر ہو تو پھر وہ کسی سے کچھ نہیں پوچھتا تھا۔ خیر وزیر با تدبیر سب سے موثر وزیر تھا۔اس سے سب ڈرتے تھے۔ لیکن اس کی غیر موجودگی میں اس وزیر کا مذاق اڑاتے تھے کہ یہ بہت بیوقوف ہے۔اسکی کوئی تجویز معقول نہیں ہوتی۔ لیکن ان بے چاروں کو معلوم ہی نہیں تھا کہ بادشاہ کو وہ وزیر صرف اسلئے پسند تھا کہ وہ عقل سے پیدل ہے۔

کچھ وزراء قوم کے درد میں تنخواہ کے بغیر کام کرتے تھے۔انہوں نے یہ بات کئی اخباروں میں بھی پریس ریلیز کے طور پر شائع کر رکھی تھی لیکن ان بے چارے وزراء کا گزارا محض ٹھیکوں کی کمیشن پر ہوتا تھا۔وہ ہر معاملے میں کمیشن وصول کرنا عین حب الوطنی سمجھتے تھے۔ایک وزیر موصوف تو ایسے تھے جو رشوت کے پیسے کو دیکھنا تک گناہ سمجھتے تھے۔ یہ کام انہوں نے اپنی تیسری بیگم کے حوالے کر رکھا تھا۔وہ انتہائی ایمانداری سے پیسے وصول کر کے غیر ملکی بینک میں جمع کروا دیتی تھی۔ اس وزیر کی پارسائی اور ایمانداری کے قصے گلی گلی میں مشہور تھے۔ مگر چند ناہنجار باغی قسم کے لوگ وزیروں کے غیر ملکی اکاونٹس کی فہرست عوام کو تھما دیتے تھے۔ حکومت کے خلاف ان نابکار لوگوں کو دن میں بولنے کی اجازت نہیں تھی۔ لہذا وہ یہ کام شام کو ٹی وی چینلوں پر کرنے کی ناکام کوشش کرتے رہتے تھے۔انکی ناکامی دیکھ کر بادشاہ کے قریبی دوست روز بغلیں بجاتے تھے۔ کئی دوست تو بغلیں بجا بجا کر تھک چکے تھے۔اور اس کام کیلئے انہوں نے سرکاری افسر رکھ لیے تھے۔

وزیر با تدبیر بہت مختلف انسان تھا۔اس میں کسی قسم کی منافقت اور ریاکاری نہیں تھی۔ وہ ڈبل تنخواہ لیتا تھا۔ایک اپنی اور ایک اپنے ملازم کے نام پر۔ وہ رشوت اور کمیشن کو بہت برا سمجھتا تھا۔وہ تقریریں کرتا تھا کہ اس برائی سے ملک کے عوام اور نظام کو بہت نقصان پہنچا ہے۔ جب بھی وہ تقریر کرتا تھا، لوگ احتراماً ٹی وی بند کر دیتے تھے۔اس ایماندار وزیر کو اللہ کی زمین سے ازحد محبت تھی۔اپنی وزارت میں حکم دے رکھا تھا کہ خدا کی زمین پر جو بھی کارنر پلاٹ نظر آئے، فوری طور پر اسے الاٹ کروا دیا جائے۔

بادشاہ ضرورت سے زیادہ انصاف پسند تھا اور یہ بات صرف ملکہ کو معلوم تھی۔ بادشاہ نے ملکہ کو بھی کئی امور میں بے خبر رکھا تھا۔راز کی باتیں صرف بادشاہ کے سفید فام غلام یاقوت کو معلوم تھی۔ یاقوت اس راز کو پوشیدہ رکھنے کی کوئی قیمت وصول نہیں کرتا تھا۔ وہ بادشاہ کا ازحد وفادار تھا۔اس نے ایماندار رہنے کی قسم اٹھا رکھی تھی۔ لہذا وہ صرف اپنے قابل بھروسہ رشتہ داروں کے نام پر کشش ٹھیکے حاصل کرتا تھا۔ تمام وزراء اس غلام سے ڈرتے تھے ۔مگر وزیر با تدبیر سے یاقوت ڈرتا تھا۔

بہر حال بات بادشاہ کے انصاف کی ہو رہی تھی۔ اکثر بادشاہ بھیس بدل کر سارا دن سڑکوں پر گھومتا رہتا تھا۔ایسا اس لئے کرتا تھا کہ رات کو ڈاکو گھومتے تھے۔ایک اور مسئلہ بھی تھا کہ بادشاہ جس دن بھیس بدل کر نکلتا تھا،اس سے پہلے خفیہ اہلکار عام لوگوں کو خبر کر دیتے تھے۔ یہ خبر ڈاکوؤں کو بھی پہنچاتے تھے۔یوں تمام حفاظتی اقدامات وہ کرتے تھے۔بادشاہ کو عام آدمیوں کے مسائل سے بہت محبت تھی۔ وہ انکے تمام مسائل انتہائی غور سے سنتا تھا۔اس نے ایک درباری فرمان جاری کر رکھا تھا کہ ہر عوامی مسئلہ سنا جائے مگر اسے حل نہ کیا جائے۔اسکی وجہ صرف یہ تھی کہ اگر عوامی مسائل حل ہو گئے تو اسکی بادشاہت کا کیا بنے گا۔ لہذا وہ خود وزیر بے تدبیر کو کہتا رہتا تھا کہ لوگوں کے مسائل بڑھاؤ تاکہ انکو سنا جا سکے!

بادشاہ کو اپنی جان اور حفاظت کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ لیکن وہ رات کو محل سے باہر نہیں نکلتا تھا۔اسکی ایک وجہ تو یہ تھی کہ ایک دن اپنی اہلیہ کے ساتھ سیر کر رہا تھا کہ شہر کے نئے داروغہ نے اس سے نکاح نامہ طلب کر لیا۔بادشاہ نے کیونکہ بھیس بدلا ہوا تھا لہذا اس نے نئے داروغہ کو دس اشرفی رشوت دیکر جان بچائی۔ تین دن کے بعد دربار خاص الخاص میں داروغہ کو طلب کیا اور بیس اشرفیاں وصول کیں۔ مغرب کے بعد محل سے باہر نہ نکلنے کی دوسری وجہ بتائی نہیں جا سکتی۔کیونکہ شام کے بعد مختلف تاجر، درباری، سردار، نواب، پیسوں سے بھرے ہوئے بریف کیس،اور تحفہ لیکر آتے تھے۔اسکی واحد وجہ بادشاہ کی انصاف پسندی اور ایمانداری تھی!

اس بے مقصد کہانی کا بقیہ تمام حصہ میں کسی اور کالم میں عرض کرونگا۔ تاریخ میں ایسے بہت سے بادشاہوں کا دور گزرا ہے جن کی کہانی تو دلچسپ ہوتی ہے لیکن اس میں مقصد نہیں ہوتا۔ میری کہانی کو بھی ایسا ہی سمجھ لیں۔